عہد بنو عباس میں حریت اظہار رائے

The Freedom of Expression in the
Reign of Abbassidies

ڈاکٹرادریس لودھی *
منزہ حیات**

Abstract:
Being humans Islam has not only granted right of freedom of speech but sometimes it becomes a religious duty to express their views, findings or witness for the betterment of humanity. As Muslims, we have sound historical background and rich religious and litrary heritage that express different aspects of the right of freedom of speech. During studying history of Islam, we find contradicting situations about this phenomenon, while showing one side of picture these situations may cause some confusions about Islamic history in the minds of youth. Therefore, it became necessary to show both sides of the picture so, that we may analyze the different types of legitimate and illegitimate freedom of speech and the reaction of Abasid Khulafas to such situations and what influence these evidences casted over Muslim Ummah as a whole. These evidences are categorized into freedom of expression about religious believes, criticism over Govt. policies and criticism over the misdeeds of officials and even Khlifa himself. While discussing the freedom of speech we have to keep in mind the political situation that the Abbsids were facing internal military and intellectual insurgencies that they have to tackle during this era. Although we do not have any historical compilation about the freedom of speech, yet the life events of great scholars, poets and ministers reveal such aspects before us that will help us in constructing a modern Islamic society in the light of Quran & Sunnah and Islamic history.
Key words: *Freedom of speech, freedom of expression, Abbasid caliphate.*

اسلام نے حریت انسانی اور اظہار رائے کی آزادی کا حق انسان کو عطا کیا تاکہ وہ تسخیر کائنات کا فریضہ سرانجام دے سکے۔اس کی فکر واظہار پر پابندی لگانا انسانیت کی ترقی کو محدود یا معکوس کرنے کا موجب بن سکتی تھی، دوسری طرف اس کی بے لگام آزادی دوسرے انسانوں کے حق آزادی اظہار کو محدود کرنے کا موجب بن سکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حق دیا لیکن جلب منفعت اور دفع

* ڈائریکٹر سیرت چیئر، شعبہ علوم اسلامیہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

ضرر جیسے آفاقی اصولوں کے زیرِ اثر رکھا۔ آزادی اظہار رائے ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اس حق کی حمایت کی گئی ہے۔ لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔[1]

اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے دیئے ہوئے اس حق کی صورتحال عملی طور پر اسلامی تاریخ میں کیا رہی؟ کیونکہ خلفائے راشدین کے دور کے بعد شخصی حکومتوں کا دور شروع ہو گیا، لیکن یہ خلفاء آئینی طور پر قرآن و سنت کی بالادستی کے علمبردار تھے، لیکن ان میں ہر قسم کے حکمران ہمیں ملتے ہیں، بے انتہاء عادل اور منصف حکمران، بے انتہاء ظالم و جابر، اور ان دو انتہاؤں کے درمیان بے شمار ذیلی اقسام۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم انفرادی طور پر حکمرانوں کی نفسیات یا ان کے ادوار کا تجزیہ کریں بلکہ ہمارا مطمع نظر یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ ان ادوار میں عمومی طور پر اظہارِ رائے کی صورتحال کیا تھی؟ کیونکہ عمومی صورتحال چند حکمرانوں کے ادوار کے استثنائیات کے ساتھ ہی معاشرتی رجحان کی نشاندہی کرتی ہے۔ اسلامی ادوار میں چونکہ عہد بنو عباس کو اپنی طوالت اور علمی و فکری ارتقاء کے حوالے سے خاص اہمیت حاصل ہے اس لیے اس کو موضوع بحث بنایا جارہا ہے۔

سب سے پہلے اسلام کے فراہم کردہ اس حق کی حدود و قیود پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اسلام نے ہمیں حقیقی حقوق کس حد تک دے رکھے ہیں؟

ایک طرف اسلام کے اظہار رائے کی آزادی کا طے شدہ، اعلانیہ اور عمومی قانون ہے، جس کے نتیجہ میں ایک عام شخص بھی خلیفۃ المسلمین سے ریاستی معاملات، مالی معاملات اور ان کی اغلاط پر تنقید کر سکتا تھا۔ جیسے حضرت عمر فاروقؓ سے ان کے لباس کی چادروں کے بارے میں سوال، خلفائے راشدین میں سے بعض کا اپنی صفائی کے لیے عدالت کے سامنے پیش ہونا، خطبوں کے دوران ان پر لوگوں کا علی الاعلان تنقید کرنا معروف ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک شخص ایک حدیث سناتا ہے، اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس پر گواہ لاؤ ورنہ تمہیں سزا دوں گا۔ اس کا مطلب ہے کہ اسلام میں آزادی رائے کی عمومی آزادی بعض حدود و قیود کے ساتھ خاص ہے جب تک ان کا خیال رکھا جاتا ہے اس وقت تک اظہار رائے کی آزادی حاصل رہتی ہے اور جب یہ آزادی دوسروں کے لیے ضرر اور نقصان کا باعث بن جاتی ہے اس وقت اس کو محدود بھی کیا جاتا ہے۔

اسلام میں آزادی رائے ایک حق نہیں ہے بلکہ ایک فریضہ ہے، جو حاکم اور محکوم دونوں پر عائد ہوتا ہے اور اگر ہم مسلمانوں کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان علماء، شعراء اور ادباء نے اس کو

حق سمجھ کر چھوڑنے کی بجائے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ اس کو فریضہ سمجھتے ہوئے ادا کیا جائے، بقول اقبالؒ

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق ... یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

دنیا کے تمام قدیم و جدید حکمرانوں کو تو اظہارِ رائے کی آزادی اور اپنی مرضی کے مطابق عمل کے مطلقاً یا مقیداً مواقع حاصل رہے ہیں، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ شوریٰ کے انتخاب اور مشاورت کے طریقہ کار، عدلیہ و قضاء کے نظام کو وضع کرنا، انتظام و انصرام کو چلانا اور مالیاتی پالیسیاں وضع کرنے جیسے کام سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن جہاں تک معاملہ عوام کا ہے وہاں صورتحال اس سے مختلف ہو جاتی ہے۔ اسلام عوام کو اظہارِ رائے کی آزادی کی ایک بنیادی صورت حکماً فراہم کرتا ہے کہ "(وَلاَ تَكْتُمُواْ الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ) [2] (اور گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو گواہی کو چھپائے وہ گنہگار دل کا حامل ہے، اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔) اس کے ساتھ ساتھ اسلام انسانوں میں طبائع کے اختلاف کی بدولت اختلافِ رائے کے تقدس کو ایک حق کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔ (وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلاَ يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ) [3] (اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے کا پیرو بنا دیتا)۔ لیکن اگر اس آزادی و حریت اظہار میں کوئی حد سے تجاوز کرتا ہے یا شدت برتتا ہے جس سے دو یا زائد افراد کے اظہارِ رائے میں ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کے حل کے لیے ضابطہ اخلاف بھی ان الفاظ میں فراہم کرتا ہے، (... فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ ...) [4] (پس اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ)

اس سے اسلامی معاشرہ میں ایک طرف تو آراء کے متعدد ہونے کی بنیاد پر خوبصورتی، رنگینی اور ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے اور دوسری طرف معاشرہ اپنے بنیادی اصولوں کے ذریعے سے آپس میں بندھا ہوا بھی ہوتا ہے یہ دونوں چیزیں کسی بھی معاشرہ کی بقاء اور استحکام کے لیے از حد ضروری ہیں۔ اس آزادی و حریت کے لیے بنیادی ضابطہ معروف و منکر کی بنیاد پر طے کیا جاتا ہے۔ (وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ) [5] (اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں)

معاشرے کو مستحکم رکھنے کے لیے حریتِ فکر کو دو قسم کی پابندیوں میں رکھا جاتا ہے، ایک اخلاقی اور دوسری قانونی

اخلاقی قیود میں مندرجہ ذیل پابندیاں عائد ہیں، غیبت، مذاق اڑانا، دوسروں کے عیوب لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا، دوسروں پر جھوٹ باندھنا، دینی اُمور میں کسی چیز کا اضافہ کرنا (بدعت)۔

دوسری قسم کی قیود قانونی نوعیت کی ہیں، جن میں دوسروں پر تہمتیں عائد کرنا، مسلمان کی تکفیر کرنا، مسلمان پر جھوٹے الزامات عائد کرنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر سب و شتم کرنا، غیر مسلموں کے معبودوں کو گالم گلوچ کرنا شامل ہیں۔ اسی بنا پر اسلام نے کسی کو دوسرے کے گھر میں داخل ہونے کا حق نہیں دیا، حتیٰ کہ گھر میں نظر ڈالنے کو بھی ممنوع قرار دیا گیا، نہ ہی کسی کی ٹوہ لگانے کا حق دیا ہے۔ اس لیے اظہار رائے کی آزادی مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے استعمال کی جانے کی ترغیب ہے۔ (1) مسلمانوں کا نفع (2) فرد اور معاشرے کے لیے مصالح کا حصول (3) عمومی معاشرتی نظام کا حق و انصاف پر قیام (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر)، (4) کسی انسان کو ظلم و جبر سے بچانا۔

لیکن اظہار رائے کی آزادی میں کچھ ایسے امور بھی ہیں جن میں مبتلاء ہونا غضب الٰہی کا موجب ہے، کیونکہ ایسی رائے سے معاشرے میں فکری اور عملی انتشار اور فتنہ پیدا ہوتا ہے، عمومی منافع کے ضائع ہونے سے معاشرہ کو ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے یا حق و انصاف کا ضیاع لازم آتا ہے۔ اور اس بارے میں اسلام کی تعلیمات ہیں، وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ [6] (کہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید ہے)۔

اس لیے اباحت و تحریم کے بارے میں جو منصوص احکام ہیں ان میں تو کسی قسم کی رعایت نہیں برتی جاتی کہ اس سے انحراف معاشرے کو سوائے ضرر کے کچھ نہیں دے سکتا۔ اس لیے جہاں شریعت کی عبادات، معاملات، شخصی معاملات یا عقوبات میں کوئی رائے موجود ہو اس کے خلاف رائے قانونِ اسلامی کے خلاف ہے اور جیسے قانون کا احترام نہ کرنے والے شخص کی رائے کا احترام نہیں کیا جاتا ویسے ہی اس کی رائے بھی قابلِ وقعت نہیں ہے۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

(وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ). [7] (اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔)

یہ قانون کا احترام (شریعتِ اسلامی کا احترام) ہی اللہ تعالیٰ کو مقصود ہے اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اس اطاعت و فرمانبرداری کا تقاضا بھی کیا ہے اور انسانوں کو 'مسلم' یعنی فرمانبردار بننے کا حکم دیا ہے۔ لیکن شریعت کے نام پر ہر رائے کا تقدس برابر ہے؟ تو ایسا نہیں ہے معصوم ادلہ اسلام میں صرف تین ہیں قرآن، سنت اور اجماع امت[8]۔ بس ان سے باہر نکلنا کسی طور پر درست نہیں ہے اس کے علاوہ ہر معاملہ میں باہر نکلنا درست ہے۔ کیونکہ یہی تین اُمور یقینی ہیں جبکہ اس کے علاوہ باقی سب میں ظن موجود ہے۔ اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے، (وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلاَّ ظَنَاً إِنَّ الظَّنَّ لاَ يُغْنِي مِنَ الحَقِّ شَيْئاً)[9]. (اور ان میں سے اکثر لوگ کسی اور چیز کے نہیں، صرف وہمی اندازے کے پیچھے چلتے ہیں، اور یہ یقینی بات ہے کہ حق کے معاملے میں وہمی اندازہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔) یقین جانو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں، اللہ اس کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔)

یہاں معاشرے کو ضرر پہنچانے والے انفرادی مصالح، تعصباتِ جاہلی اور ہوائے نفسانی کے خلاف آراء کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ ہر ایسی رائے جو شریعتِ اسلامیہ کی کسی اصل کی مخالفت نہ کرے وہ اصلاً مباح ہے، اور ان سب کو اباحتِ اصلیہ کے عموم میں لایا جاتا ہے اور ان کے اظہار کے لیے قانونی اور اخلاقی حق اس کو دیا جاتا ہے۔ المؤتمر الاسلامی نے اپنے قاہرہ میں ہونے والے اجلاس میں (14-01-1411 ھجری) قرار داد نمبر 22 ان الفاظ میں پاس کی: (**لكل إنسان الحق في التعبير بحريّة عن رأيه بشكل لا يتعارض مع المبادء الشرعية ، ولكل إنسان الحق في الدعوة إلى الخير و الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وفقاً لضوابط الشريعة الإسلامية**)[10].

کہ ہر انسان کو آزادی سے رائے کے اظہار کا حق حاصل ہے اس صورت میں کہ وہ شریعت کے مبادی سے نہ ٹکرائیں، ہر انسان کو شریعتِ اسلامی کے موافق بھلائی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت کا حق حاصل ہے۔

تاریخ میں خلفاء بنو عباس کی طرف سے بردباری کی طرح سخت مظالم کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اس تاریخی مشکل کا حل پیش کیا گیا ہے۔ کہ عہد بنو عباس میں حریت اظہار رائے کی حدود قیود کیا تھیں؟ یعنی خلفاء کس حد تک تنقید برداشت کرتے تھے اور کب ظلم و جبر پر اتر آتے تھے؟ تاریخی واقعات کی روشنی میں تحقیق کی گئی ہے۔ کہ مسلمانوں کا یہ طویل ترین دور حکومت اظہار رائے کے بنیادی حق کو کب کس طرح دباتا اور کس وقت اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ یہ تحقیق کاوش اس بات

کی بھی غماض ہے کہ عباسی عہد ابتدا میں رواداری و جبر و انصاف کا امتزاج تھا یہ کاوش متعدد تاریخی ضابطوں کو دور کرنے کی کوشش ہے اور اس موضوع کی مناسبت سے اس دور کی آزادی اظہار رائے کی منظر کشی کرتی ہے جس کی روشنی میں تاریخی تعامل کے طور پر آج کی مسلم ریاستیں بنیادی انسانی حقوق خصوصاً آزادی اظہار رائے سے متعلق بہتر لائحہ عمل اختیار کر سکتی ہیں۔

یہاں کچھ اور ذیلی سوال بھی پیدا ہوتے ہیں، ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوامی سطح پر اس کی صورتحال کیا تھی؟ اور اگر خود حکمران کی ذات پر کوئی سوال اٹھانا چاہتا یا اس کو زجر و تنبیہ کرنا چاہتا تو اس کی صورتحال کیا تھی؟ کیا تمام خلفاء اس قدر آمرانہ مزاج رکھتے تھے کہ کسی مخالفانہ بات کو برداشت نہ کرتے تھے؟ یا اپنے درباریوں اور شوریٰ کی تنقید اور مشوروں کے پابند تھے؟ کیا عوام یا علماء میں حکمران پر تنقید کرنے کا شعور موجود تھا؟ اگر تھا تو اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے رہے؟

عہد عباسی میں ''حریت اظہار رائے'' کس حد تک ہی؟ اس سلسلہ میں تاریخ و ادب کے طالب علم کو متضاد مظاہر نظر آتے ہیں بعض اوقات ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اس عہد میں عوام کو بہت حد تک آزادی اظہار رائے حاصل تھی وہ اپنے مافی الضمیر کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اور وہ بلا خوف و خطر اور بے باکی کے ساتھ بر سر اقتدار طبقہ پر تنقید کرتے تھے۔ اور انہیں جان کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بر عکس بے شمار واقعات ایسے بھی ملتے ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد میں آزادی اظہارِ رائے برائے نام بھی نہیں تھی۔ بر سر اقتدار طبقہ پر تنقید کرنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ شاعری اس عہد میں آزادی اظہار رائے کا ایک مؤثر ذریعہ تھی۔ ... بعض شعراء اعلانیہ خلفاء کی مذمت میں شعر کہتے ہیں۔ وہ تلمیح، اشارہ رمز اور کنایہ تک سے بھی کام یہ لیتے تھے بلکہ وہ خلفاء کا نام لیکر ہجو کہتے تھے مسلم بن یزید العدوی مشہور شاعر جو اصل ابن عطاء کا شاگرد تھا۔ خلیفہ منصور پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے۔

حتَّى متى لا نرى عدلًا نُسَرُّ به... ...ولا نرى لِوُلاةِ الحقّ أعوانا

مستمسكين بحقٍّ قائمين به... ...إذا تلَّون أهلُ الجوْرِ ألوانا

يا للرجالِ لدَاءٍ لا دواءَ له... ...وقائدٍ ذي عمًى يقتادُ عُميانا[11]

ہم کب تک عدل نہیں دیکھیں گے جس کو دیکھ کر ہم خوش ہوں اور کب تک اہل حق کے مدد گار نہیں دیکھیں گے؟ وہ اہل تمسک بالحق یعنی حق کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے

ہوئے ڈرتے رہتے ہیں وہ مدد گار حق کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ڈٹے رہیں گے جس وقت اہل ظلم مختلف رنگ بدلتے ہیں۔ مطلب ظلم کے اندر بدلتے ہیں۔انسانوں کی اس مرض پر افسوس جسکی کوئی دوا نہیں ہے اور اس اندھے راہنما پر افسوس جو اندھو کو ہانک رہا ہے۔

ایک اور شاعر دعبل الخزاعی اس سے ہی زیادہ سخت زبان استعمال کیا کرتا تھا۔اغانی میں لکھا ہے کہ دعبل سخت، ہجو نگار اور سخت لہجے کا شاعر تھا۔ اسکی زبان سے خلفاء، وزراء اور ان کی اولاد تک کوئی محفوظ نہیں تھا کوئی صاحب عزت یا بڑے سے بڑا انسان چاہے اس نے دعبل پر احسانات ہی کیوں نہ کیے ہوں۔اس سے بچ کر نہیں گیا۔ دعبل شیعہ تھا اور حضرت علیؓ اور آل علیؓ سے بے پناہ محبت رکھتا تھا۔ علیؓ کے بارے میں اس نے اپنا مشہور و معروف قصیدہ بھی کہا تھا۔

مَدَارسُ آيَاتٍ خَلَتْ مِن تلاوة ٍ...ومنزلُ وحيٍ مقفرُ العرصاتِ

آیات کو پڑھنے پڑھانے والے تلاوت سے خالی ہو گئے، اور وحی کے نازل ہونے کی جگہ بے روح صحن بن گئے۔

اس نے معتصم باللہ جیسے جنگجو اور جابر خلیفہ کی ہجو کہہ ڈالی چند شعر درج ذیل ہیں۔

بكى لشتاتِ الدينِ مكتئبٌ صبُّ ...وَفَاضَ بِفَرْطِ الدَّمْعِ مِنْ عَيْنِهِ غَرْبُ

وقامَ إمَامٌ لَمْ يَكُنْ ذَا هِدَايَة ٍ... فَلَيْسَ له دِينٌ، وَلَيْسَ لَهُ لُبُّ

وما كانت الأنباءُ تأتي بمثلهِ... يُمَلَّكُ يَوْماً، أَوْ تَدِينُ لَهُ العُربُ

لقد ضاعَ أمرُ الناس إذْ ساس ملكهم... ...وصيفٌ و أشناسٌ وقد عظمَ الكربُ[12]

صاحب عشق اور غمزدہ شخص دین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے پر رو دیا اور فرط غم میں اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کے ڈول بہہ گئے۔اور ایسا امام کھڑا ہو گیا جو محروم ہدایت ہے اس کا نہ کوئی دین ہے اور نہ کوئی عقل ہے۔ اس قسم کے انسان کے لئے خوشخبریاں نہیں آیا کرتیں جو یہ چاہے کہ ایک دن میں بادشاہ ہو جائے اور تمام عرب اس کے زیر ہو جائے۔ عوام کا ملک اس وقت تباہ ہو جاتا ہے جب ان پر وصیف اور اشناس (معتصم کے ترکی سپہ سالار) جیسے سپہ سالار حکمرانی کر کے مصائب کو زیادہ کر دیں۔

معتصم باللہ سے قبل دعبل نے مامون الرشید کی بھی ہجو کہی تھی۔ مامون کو جب بتایا گیا کہ دعبل نے اسکی ہجو کہی ہے تو اس نے کہا کہ اس میں کون سی عجیب بات ہے وہ ابو عباد[13] کی ہجو کہے اور میری نہ کہے۔[14]

جو ابو عباد جیسے جنونی شخص پر جری ہو سکتا ہے وہ مجھ جیسے حلیم الطبع شخص پر کیسے جری نہ ہو گا؟ دعبل کی پوری زندگی خلفاء و وزراء کی ہجو کہتے گزری وہ کہا کرتا تھا میں پچاس برسوں سے اپنی صلیب کندھوں پر اٹھائے پھر رہا ہو مگر مجھے اس پر کوئی نہ لٹکا سکا۔[15]

جب خلیفہ امین نے اپنے بھائی مامون کی ولی عہدی منسوخ کر کے اپنے نابالغ لڑکے موسیٰ الناطق بالحق ابو جعفر کو خلیفہ بنانا چاہا تو بغداد کے ایک اندھے شاعر علی بن ابی طالب نے کہا۔

أضاع الخلافة غش الوزير ... و فسق الأمير و جهل المشير

وما ذاك إلا طريق غرور ... وشر المسالك طرق الغرور

لواط الخليفة أعجوبة ... و أعجب منه خلق الوزير

و أعجب من ذا و ذا أننا ... نبايع للطفل فينا الصغير [16]

و من ليس يحسن غسل استه ... و لم يخل من بوله حجر ظير [17]

خلافت کو وزیر کی مکاری سربراہ کی بداعمالی اور مشیروں کی غلط رائے نے تباہ کر دیا۔ یہ طور طریقے سوائے دھوکے کے اور کیا ہیں بدترین راستے تو دھوکے کے ہی ہوتے ہیں۔ خلیفہ کی سدومیت کی عادت عجوبہ تو ہے ہی، اس سے بھی زیادہ عجیب وزیر کا اخلاق ہے۔ اور ان دونوں سے بڑھ کر سب سے بڑا عجوبہ یہ ہے ہم ایک چھوٹے سے بچے کی بیعت کریں۔ اور جو ابھی اچھی طرح سے استنجا بھی نہیں کر سکتا اور جس نے ابھی اپنی دایا کی گود کو پیشاب سے بھگونا بھی نہیں چھوڑا۔

یہاں بھی ہمیں نظر آتا ہے کہ موضوع تنقید وزراء اور مشیروں کی بداعمالیاں ہیں، جس میں خلیفہ کے اخلاقی عیوب کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے، اور اس ظلم و جبر کے تسلسل کے لیے ایک نابالغ کو ولی عہد بنانے پر بھی تنقید ہے۔ یہاں واضح طور پر خلیفہ کی ذات اور اس کی أولاد، أعوان و انصار ہدفِ تنقید ہیں، لیکن اس شاعر کو بھی کسی قسم کی سزا نہیں دی گئی، جبکہ اس وقت ادب کا ذوق نہایت اعلیٰ تھا،

اچھا نثری شہ پارہ ہو یا نظم ہو لوگوں کی زبان پر بہت جلد پھیل جاتی تھی۔اسی پس منظر میں ایک اور شاعر احمد بن ابی نعیم کہتا ہے۔

أميرنا يرتشي وحاكمنا ... يلوط والرأس شر ما راس

لا أحسب الجور ينقصني وعلى ... الأمة قاض من آل عباس[18]

ہمارا امیر رشوت لیتا ہے، ہمارا حاکم سدومیت کا عادی ہے، اور بڑا برائی میں سردار ہے۔
جب تک اس امت پر آل عباس کی اولاد حکمران رہے گی مجھے ظلم و تشدد ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔

اس قسم کے اور بے شمار اشعار ہیں۔ان پر اگر بنو عباس سزا دینا چاہتے تو عبرت ناک سزا دے سکتے تھے۔ مورخ خطیب بغدادی اپنی کتاب تاریخ بغداد میں ایک واقعہ لکھتا ہے کہ مشہور معتزلی بشر بن ولید نے مامون سے شکایت کی کہ دوسرا مشہور معتزلی بشر مریسی آپ کا نام اچھے انداز میں نہیں لیتا اور آپ کی توہین کرتا ہے۔مامون نے کہا تو پھر کیا ہوا؟ مگر ساتھ ہی ایک آدمی کو منتخب کیا جو بشر مریسی کی محفل میں جائے اور تمام حالات سے مامون کو آگاہ کرے ایک بار بشر مریسی اپنی محفل میں کھڑا ہوا تو کہنے لگا۔

"اے اللہ! ال مروان کے ظالموں پر لعنت بھیج، اور اس شخص پر لعنت بھیج جو آل مروان پر غضبناک ہوا اور تیری کتاب اور نبی کی سنت پر اپنی خواہشات کو ترجیح دی اور اور شوخ و سرخ رنگ والے خچر پر سوار ہونے والے (مراد مامون) پر لعنت بھیج۔" اگلے دن جب بشر مریسی مامون کے دربار میں گیا تو مامون نے کہا

"اے ابو عبدالرحمان تو نے شوخ و سرخ خچر والے پر کب سے لعنت بھیجنی شروع کی ہے"؟ یہ سن کر بشر نے حیرانگی سے جھرجھری لی مگر مامون نے اسے اور کچھ نہ کہا۔[19]

منصور کا ایک دوست عبدالرحمن ابن زیاد کہتا ہے "خلافت ملنے سے قبل میں اور ابو جعفر منصور اکٹھے پڑھا کرتے تھے جب وہ خلیفہ تو میں اس سے ملنے گیا اس نے کچھ سے پوچھا بنو امیہ کے مقابلے میں میرے حکومت کیسی ہے؟ میں نے کہا "جو ظلم و جبر میں نے انکی حکومت میں دیکھا تھا وہی تمہاری حکومت میں دیکھ رہا ہوں" منصور نے کہا بات یہ ہے کہ لوگ ہمارے حق میں نہیں ہیں اور نہ ہمارے حمائتی ہیں " میں نے کہا عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے کہ "حکومت تو ایک بازار کی مانند ہے اس میں وہی

چیز آتی ہے خرچ کرنے کے قابل ہوا اگر حکومت صالح ہوا تو اسے عوام بھی صالح مل جاتے ہیں اور اگر حکومت بدکار ہو تو اسے عوام بھی بدکار ملتے ہیں" یہ سن کر منصور نے سر جھکا لیا۔[20]

اسی طرح اعتزال کے مشہور بانی عمرو بن عبید نے منصور سے کہا "تمہارے دروازے سے باہر اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کے مطابق بالکل عمل نہیں ہو رہا ہے" منصور نے کہا "پھر میں کیا کروں" ؟ یہ لو میری مہر والی انگوٹھی اور تم اور تمہارے ساتھی مجھے کفن پہنا دو" (یعنی تم حکومت کرو) عمرو بن عبید نے کہا "تم ہمیں صرف اپنے عدل کے ساتھ بلاؤ ہم تمہاری مدد دل و جان سے کریں گے، تمہارے دروازے پر ہزاروں مظلوم کھڑے ہیں کچھ تو ان کے حقوق واپس کر دو تاکہ میں جان جاؤں کہ تم واقعی اپنی مہر میرے حوالے کرنے میں سچے ہو؟۔"[21]

ایک اور عہدے دار نے منصور سے کہا "اللہ نے تمہیں مسلمانوں کے جان و مال کا رکھوالا بنایا ہے مگر تم ان کے معاملات سے غافل ہو گئے ہو تم نے اپنے اور عوام کے درمیان پتھروں، اینٹوں اور لوہے کے پردے لٹکا دیے ہیں تم نے مسلح چوکیدار رکھے ہوئے ہیں۔ تم نے عوام سے دور رہ کر اپنے آپ کو قید کر لیا ہے تم نے اپنے گورنروں کو عوام کا مال اکٹھا کرنے پر لگایا ہوا ہے ان کو تم نے اسلحہ غنڈوں اور گھوڑوں سے لیس کر رکھا ہے تم نے حکم دے رکھا ہے کہ فلاں، فلاں آدمی کے سوا تم سے کوئی ملنے نہ آئے۔ تم مظلوم غم زدہ اور بھوکے ننگے فقیروں کی صلہ رحمی کا حکم نہیں دیتے۔ ان تمام لوگوں کو تمہارے خزانے پر حق ہے۔ ذرا ان لوگوں کو دیکھو جن کو تم نے اپنا خواص بنا رکھا ہے۔ اور عوام پر ان کو ترجیح دیتے ہو۔ تم انہیں حکم دیتے ہو کہ وہ عوام کا مال اکٹھا کریں اور جب تم اس کو عوام پر تقسیم نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے حقوق میں خیانت ہوئی ہے۔ چلو ہم بھی خیانت کریں پھر وہ سازش کرتے ہیں۔ لوگوں کے صحیح حالات تک نہیں پہنچنے دیتے، جو عہدے دار ان کا ساتھ نہ دے اس کو لعنت ملامت کرتے ہیں۔ اس کی قدر و منزلت گزا دیتے ہیں۔ پھر چھوٹے عہدہ دار ان سے خوفزدہ نہیں رہتے وہ ان کو تحفے تحائف اور رشوتیں دیتے ہیں تاکہ وہ بھی عوام پر ظلم و جبر کرنے میں زیادہ مضبوط اور جری ہو جائیں اہل ثروت اور سرمایہ دار عوام پر ظلم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اللہ کی بستی طرد، بغاوت اور فساد سے پھر جاتی ہے یہ سب لوگ تمہاری حکومت کے شریک کار ہیں اور تم ان سے غافل ہو جب کوئی فریاد کرنے والا آتا ہے تو اسے تمہارے شہر تک ہی نہیں آنے دیا جاتا، اور جب وہ کسی اور راستے سے اپنا درد لے کر آتا ہے تو تم کو پہلے ہی سے اس کی طرف متنفر کر دیا جاتا ہے۔ تم نے لوگوں کی شکایت سننے کے لئے ایک آدمی مقرر کر رکھا ہے۔ اگر وہ آدمی

شکایت لے کر تمہارے پاس آتا ہے تو وہ بڑے پولیس افسر کو کہتے ہیں کہ اس شکایت کرنے والے کی آواز خلیفہ کے کان تک نہ جائے شکایت کنندہ ڈر کے مادے اپنی شکایت ہی پیش نہیں کرتا، گویا وہ جس سے فریاد کرنے آتا ہے اس سے پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ جب حق مانگتا ہے تو کبھی اسے ٹرخا دیا جاتا ہے اور کبھی بلا یا جاتا ہے جب وہ تھک ہار کر تمہارے سامنے چیختا ہے تو اس کو دردناک کوڑا رسید کیا جاتا ہے تاکہ دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ یہ سب تم دیکھ رہے ہوتے ہو مگر برا نہیں مناتے کیا اس طرح اسلام باقی رہے گا؟[22]

یہاں تک جو مثالیں بیان ہوئی ہیں وہ خالص سیاسی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں اس کے علاوہ ہمیں ایک خالص علمی پہلو بھی نظر آتا ہے جہاں حیرت رائے کا غلبہ صاف نظر آتا ہے یہ ٹھیک ہے کہ خلفائے عباسیہ نے تاریخ وفقہ پر اپنا گہرا اثر ڈالا لیکن اکثر علماء ایسے ملتے ہیں جو خلفاء کے اثر سے بے نیاز اور آزاد رہ کر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے مورخ طبری اپنی تاریخ میں ہم عصر راویوں سے خلفاء اور انکی اولاد کے بارے میں ایسی ایسی روایات بیان کرتا ہے جو خلفاء کو نہایت ناپسند تھیں۔ طبری نے خلیفہ سفاح کی خون ریزیاں، منصور کی کنجوسیاں اور اس عہد میں بے شمار لوگوں کو بے گناہ قتل کرنے کے واقعات نہایت بے باکی سے ذکر کیے ہیں جو خلفاء کی ہجو و مذمت میں کہے گئے تھے۔ خاص کر بشار بن برد نے خلیفہ مہدی کی جو ہجو کہی تھی وہ بھی زیرِ تحریر لائی گئی۔ خلفاء کی شراب و کباب کی محفلوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے لہو لعب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ طبری کے علاوہ اور مورخین نے بھی حقائق سے چشم پوشی نہیں کی بلکہ ہر خلیفہ کی ایک مکمل تصویر دکھائی ہے۔[23]

اس کے علاوہ اس دور میں ہمیں کچھ مستند ترین کتابیں نظر آتی ہیں مثلاً ابوالحسن الاشعری کی ''مقالات الاسلامیین'' عبدالکریم شہرستانی کی ''الملل والنحل'' اور عبدالقاہر بغدادی کی ''الفرق بین الفرق'' ان کتابوں میں ہمیں ایسے مکاتب فکر نظر آتے ہیں جو الہیات کے بارے میں ایسے ایسے نظریات رکھتے ہیں جس کو پڑھ کر قاری انگشت بدندان رہ جاتا ہے۔ مصنفین کے ان غیر اسلامی اقوال کو بلا جھجک درج کرتے ہیں۔ وہ فلاسفہ یونان کے اقوال کو اسلام سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ معتزلہ صدر اسلام کی تاریخ کو کس تنقیدی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کس طرح صحابہ کرام کی تنقیص کرتے ہیں۔ مثلاً واصل بن عطاء کہتا ہے اگر علیؓ اور طلحہؓ یا علیؓ اور زبیرؓ میں سے کوئی سبزی کی ڈھیری پر بھی گواہی دے تو ان کی شہادت پر حکم صادر نہیں کروں گا'' کیونکہ ان کے نزدیک جنگ جمل کے دونوں

فریقوں میں سے ایک فاسق ہے۔ جو غیر واضح ہے اس کے نزدیک حسن، حسین، ابن عباس، عمار بن یاسر، ابوایوب الانصاری، عائشہ رضی اللہ عنھم اور تمام اصحاب، جنگ جمل فاسق ہیں۔ کیونکہ مسلمان کا مسلمان کے ساتھ جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ فقہاء ایک دوسرے پر تنقید کرتے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰؒ، ابو حنیفہؒ پر کڑی تنقید کرتے ہیں اور پھر امام ابو حنیفہ کے شاگرد اس کا جواب دیتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور شافعیؒ کے شاگرد ایک دوسرے سے بحث و مناظرہ کرتے ہیں۔ یہ مناظرے کبھی عقلی حدود کے اندر رہتے ہیں اور کبھی ذاتیات تک پھیل جاتے ہیں گویا اپنی رائے کے اظہار میں کسی کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔[24] مندرجہ بالا مثالوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جتنی حریت اظہار رائے عہد عباسی میں تھی اس کا عشر عشیر بھی آج کے جمہوری دور میں ہمیں میسر نہیں ہے۔

ابتدائی دور میں یہ تنقید محض جدالِ احسن تک ہی محدود تھی، کیونکہ اختلاف مجتہدین کے درمیان ہی ہوتا تھا، اور اختلاف بھی انہی کے درمیان رہتا تھا، لیکن بعد ازاں جب عوام الناس (بالخصوص آئمہ کرام کے مقلدین) ان اختلافات میں حصہ دار بنے تو مناظر ہوں کی نوعیت تبدیل ہو گئی اور عوام الناس میں منافرت پھیلنا شروع ہو گئی اور دوسرے مسلک کے افراد کو نیچا دکھانے کے لیے کوششیں ہونے لگیں، اہل علم جن کا اختلاف ترقی اور وسعت کا موجب تھا وہ بھی عوام الناس کے پریشر گروپ کے زیرِ اثر آ گئے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنے مسلک کی برتری ثابت کرنے پر زور صرف کرنے لگ گئے۔

مگر یہ تصویر کا محض ایک رخ ہے اگر تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ عہد عباسی میں حریت اظہار رائے کا وجود تک نہ تھا۔ سیاسی پہلو سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا اس دور کا ایک بھی وزیر ایسا نہیں ہے جو اپنی موت آپ مرا ہو، سب کا خلفاء کے ہاتھوں خاتمہ ہوا ہے۔ سلطنت عباسیہ کا پہلا وزیر ابو سلمہ الخال تھا۔ سفاح نے اس کو ابو مسلم خراسانی کے ذریعے ٹھکانے لگوادیا۔ منصور نے ابوایوب مور بانی کو وزیر بنایا اور پھر اس کو قتل کر ڈالا اس کے تمام اعزہ واقارب کو فنا کر کے انکی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ اس بارے میں کوفہ کا ایک شاعر ابن جیبات کہتا ہے۔

قد وجدنا الملوك تحسد من اع ... طته طوعا أزمة التدبير

فإذا ما رأوا له النهي والأم ... ر أتوه من بأسهم بنكير

أسوأ العالمين حالا لديهم ... من تسمى بكاتب أو وزير[25] ـ[26]

ہم نے شہنشاہوں کو اس شخص سے حسد کرتے پایا ہے جسکو وہ اپنی رضا سے امور سلطنت کی باگ ڈور تھماتے ہیں۔ جب وہ شخص اس میں کوئی عقل اور اختیار دیکھتے ہیں تو سخت ناپسندیدگی کی حالت میں اس پر اپنی طاقت استعمال کرتے ہیں۔ شہنشاہوں کے دربار میں تمام جہانوں میں سب سے بدقسمت انسان وہ ہے جس کو کاتب یا وزیر بنادیا جاتا ہے۔

وزراء کی ابتلاؤں میں بھی ایک بڑا حصہ شعراء کو ملنے والی اظہارِ رائے کی آزادی کا رہا ہے، جیسا کہ اُبوعبید اللہ یعقوب بن داود کو جب وزیر بنایا گیا اور اس کو بہت زیادہ اختیارات مل گئے تو بشار[27] نے اس کی ہجو کہی جس میں خلیفہ کو اس کے خلاف ابھارا،

بني أميّة هبّوا طال نومكم ... إنّ الخليفة يعقوب بن داود

ضاعت خلافتكم يا قوم فالتمسوا ... خلافة الله بين الناي والعود

بنی امیّہ تمہاری نیند سے فائدے میں ہیں کہ (اصل) خلیفہ یعقوب بن داود ہے، جس نے تمہاری خلافت ضائع کر دی ہے اور اے قوم اللہ کی خلافت کو بنسری اور عود جیسے گانے بجانے کے آلات کے درمیان تلاش کرو۔

مہدی لہو و لعب اور گانے بجانے میں مشغول رہتا تھا اور تمام اُمور یعقوب بن داود کے سپرد کر رکھے تھے، مہدی کے اُصحاب اس کے پاس نبیذ پیتے۔ یعقوب بن داود نے اس عمل سے اسے روکا اور اس کو نصیحت کی کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد تم یہ کام کرتے ہو؟ خلیفہ نے اس کی نصیحت کی طرف التفات نہ کیا، جاسوس یعقوب بن داود کی شکایات مہدی تک پہنچاتے رہے، یہاں تک کہ وہ اس سے بد ظن ہو گیا اور اس کو ہمیشہ کے لیے قید میں ڈال دیا، جس کو بعد ازاں ہارون الرشید نے اپنے دورِ خلافت میں باہر نکالا[28]۔

ہارون الرشید نے برامکہ کو جس عذاب سے دوچار کیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے صرف جعفر بن یحییٰ برمکی کے جسم کے ٹکڑے کر کے بغداد میں تمام پلوں پر لٹکا دیے تھے مامون کو فضل بن سہل کی حکمت و دانش سے سلطنت ملی تھی مگر مامون نے اسے ایک حمام میں غنڈوں سے قتل کرا دیا تھا۔[29]

وزراء کس قدر بے بس تھے۔ ان کا اندازہ **قاضي التنوخي**[30] کی اس حکایت سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو اس نے اپنی کتاب "**نشوار المحاضرة وأخبار المذاكرة**" میں بیان کی ہے۔ وہ ابن عیاش سے روایت کرتا ہے کہ اس نے بغداد کی شارع الخلد میں ایک سدھایا ہوا بندر دیکھا۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہیں بندر کا استاد اس سے پوچھتا ہے تم بزاز بننا چاہتے ہو؟ بندر ہاں میں سر ہلاتا ہے۔ استا پوچھتا ہے

تم عطار بننا چاہتے ہو؟ بندر ہاں میں سر ہلاتا ہے۔ استاد کئی پیشے گنواتا ہے اور بندر ہاں میں سر ہلاتا جاتا ہے۔ آخر استاد پوچھتا ہے تم وزیر بننا چاہتے ہو؟ بندر نفی میں سر ہلاتا ہے اور اس کے آگے چیختا ہوا بھاگتا ہے۔ یہ دیکھ کر لوگ خوب قہقہے لگاتے ہیں'' [31]

ایک بار منصور نے اپنے بیٹھے جعفر کے لئے کاتب مقرر کیا جس کا نام فضل بن عمران تھا وہ نہایت پاکباز اور متدین تھا۔ کسی نے شکایت کی کہ وہ جعفر سے چھیڑ خانی کرتا ہے۔ منصور نے بغیر کسی تاخیر کے اس کے قتل کا حکم دے دیا بعد میں منصور کو اس کی بے گناہی کا پتا چلا تو فوراً ایک آدمی دوڑایا کہ فضل کو قتل نہ کیا جائے۔ مگر وہ حکم پہنچنے سے پہلے قتل ہو چکا تھا۔ اس پر منصور کے بیٹھے جعفر نے ایک اور اہم شخص سوید سے پوچھا کہ ''ایسے پاکباز مسلمان کے بارے میں آپکا کیا خیال ہے جس بے گناہ قتل کر دیا گیا ہے؟'' سوید نے کہا وہ ''امیر المومنین ہیں وہ اپنے فعل کے بارے میں خود بہتر جانتے ہیں'' جعفر نے سوید کو ڈانٹا اور کہا میں تم سے خواص کے رنگ میں بات کر رہا ہوں اور تم عامیانہ انداز میں جواب دے رہے ہو۔ جعفر نے حکم دیا کہ سوید کو پکڑ کر دجلہ میں ڈال دیا جائے سوید نے کہا پہلے میری ایک بات سن لو۔ خلیفہ نے اپنے چچا عبداللہ بن عبداللہ بن علی کو قتل کیا۔ عبداللہ بن حسین اور بے شمار اولاد رسول ﷺ کو ظالمانہ انداز سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے علاوہ دنیا کے لاتعداد انسانوں کو مروا ڈالا۔ [32]

اگر علمی و دینی لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ خلفائے بنی عباس نے بے شمار اہل علم کی تذلیل و توہین کی ہے اور ہمیں مختلف النوع عذابوں سے دوچار کیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، اور امام مالکؒ کو کوڑے لگوائے گئے۔ ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہؒ حالتِ قید میں فوت ہو گئے کیونکہ وہ عباسی سلطنت کا کوئی عہدہ قبول نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور ان کی حکومت کو ناجائز خیال کرتے تھے۔ امام مالکؒ کو عباسی سلطنت کے بیعت کے طریقہ پر اعتراض تھا تو ان کے شانے اکھڑوا دئے گئے۔ سفیان ثوریؒ تمام مملکت اسلامی میں پوشیدہ طور پر مارے مارے پھرتے رہے کیونکہ بنو عباس انہیں کوفہ کا قاضی بنانا چاہتے تھے مگر وہ انکاری تھے پھر بنو عباس نے باقاعدہ ایک ادارہ تشکیل دیا جس کو دار الاحتساب کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اس ادارے میں زندیقوں کو سزائیں دینے کے لئے بحث و تمحیص ہوتی تھی۔ اس کا ''سربراہ صاحب الزنادقۃ'' کہلاتا تھا۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ بے شمار معصوم انسان کو زندقہ کی تہمت لگا کر قتل کر دیا گیا۔ ان سب کے قتل کے اسباب دینی نہیں تھے بلکہ سیاسی تھے۔ محض جمہور کی ہمدردیاں حاصل کرنے

کیلئے زندقہ کاالزام لگایا جاتا تھا۔اسی طرح صالح بن عبدالقدوس کو زندیق کہہ کر قتل کیا گیا۔ یہ قبلہ ازد کا مولی تھااور جامع بصرہ ودمشق کاواعظ تھا۔ یہ شاعر بھی تھا۔کسی خلیفہ کی مدح نہیں کرتا تھا۔اس کے اشعار حکمت وموعظت سے پر ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر

كل آت لا شك آت وذو الجهل ... معنى والهم والحزن فضل

أيها اللائمي على نكد الدهر ... لكل من البلاء يصيب

قد يلام السري في غير ذنب ... وتغطى من المسىء الذنوب

وتحول الأحوال بالمرء والدهر ... له في صروفه تقليب[33]

ہر آنے والی مصیبت آکر رہے گی نا سمجھ کو اسکی خبر نہیں ہوتی غم وملال تو ایک فضول سی چیز ہے۔ اے زمانے کی سختی کی ملامت کرنے والے ہر شخص کو اس کے دکھ کا حصہ مل کر رہے گا۔ کبھی معصوم شخص کو بے عزت کیا جاتا ہے اور کبھی بدکار انسان کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا جاتاہے۔انسان پر حالات بدلتے رہتے ہیں اور زمانہ نئے نئے حادثات کے ساتھ کروٹ بدلتا رہتاہے۔(تاریخ ابن عساکر میں اس کے بے شمار اشعار موجود ہیں)

خطیب بغدادی نے لکھاہے کہ مہدی نے صالح بن عبدالقدوس پر زندقہ کاالزام لگایااور اسے اپنے سامنے بلایا: مہدی نے جب اس سے گفتگو کی تو اس کے علم کی گہرائی ادب میں مہارت، بہترین انداز گفتگو اور پر حکمت کلام سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسے واپس جانے کا حکم دیا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو فوراً واپس بلایااور کہاکہ یہ اشعار تمہارے ہیں۔

ما يبلغ الأعداء من جاهل ... ما يبلغ الجاهل من نفسه

والشيخ لا يترك أخلاقه ... حتى يوارى في ثرى رمسه[34]

جاہل کو نقصان دشمن سے کم اور اپنے نفس سے زیادہ ہوتا ہے۔ بوڑھا اپنی عادت کبھی ترک نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کو قبر کی مٹی میں چھپادیا جائے۔

صالح بن عبدالقدوس نے کہا''ہاں امیر المومنین یہ اشعار میرے ہیں'' مہدی نے کہا تم خود بھی اپنی عادات کو ترک نہیں کروگے۔ ہم تمہیں تمہارے طے کیے ہوئے اصول کے مطابق ہی سزادیں گے چنانچہ صالح کو قتل کر کے اس کی لاش بغداد اکے پل پر لٹکادی گئی [35]

ان اشعار میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ صالح پر تنقید کی جائے چہ جائیکہ اسے قتل کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوران وعظ صالح کی زبان پر کچھ الفاظ ایسے آئے ہونگے جن سے مروجہ نظام پر تنقید کی گئی ہو گی۔اس نے خلفاء کے ناجائز تصرفات پر زبان ہلائی ہو گی اور وہ تھاہی خوش گفتار جس سے عوام میں حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ تھا لہٰذا اس پر زندقہ کا الزام لگا کر ختم کر دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دنیا سے زہد اختیار کرنے والا اور جنت کی ترغیب دینے والا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ابھارنے والا،اور محاسن اخلاق کا حکم دینے والا، موت اور قبر کو یاد کرنے والا شاعر تھا،اس کے اشعار میں زندقہ کی اور کوئی نظیر نہیں ملتی ماسوائے ان اشعار کے جو مبینہ طور پر اس کی منسوب کر کے اس کو سزا دی گئی جبکہ اس نے اس وقت بھی ان سے انکار کیا اور کہا تھا کہ شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔[36]

مامون جو باقی تمام خلفاء کے مقابلے میں عفو و در گزر میں ممتاز مقام رکھتا تھا۔اس نے خلق قرآن کے مسئلے پر بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا کئی اہل علم حضرات کی ملازمتیں چھین لیں اور خلق قرآن کے مسئلہ کو جبراً تمام حکومت پر نافذ کرنا چاہا۔حالانکہ بقول مورخین مامون بہت وسیع القلب وسیع المشرب اور بالغ نظر فلسفی تھا۔

مندرجہ بالا بحث سے تصویر کے دونوں رخ ہمارے سامنے ہیں۔ہم ان کا غیر جانبداری سے مطالعہ کر کے کچھ نتائج اخذ کرتے ہیں اور دونوں صورتوں میں تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ا۔عباسی خلفاء نے سلطنت کے کچھ خاص اصول وضوابط مقرر کئے ہوئے تھے۔پہلا اصول یہ تھا کہ سلطنت کا دبدبہ اور تعظیم لوگوں کے دلوں میں ہر لحاظ سے جا گزیں ہو جائے کوئی معمولی سے معمولی واقعہ بھی ناقابل برداشت تھا جو اس تعظیم میں معمولی سا فرق پیدا کرتا ہو منصور کے دور میں بے شمار بغاوتیں ہوئیں۔منصور نے سب کو بے دردی کے ساتھ کچل دیا۔سلطنت کے دبدبہ کے سلسلہ میں وہ نہایت حساس اور شکی مزاج واقع ہوا تھا۔وہ محض سنی سنائی باتوں پر بھی لوگوں کو قتل کر ڈالتا تھا۔اسکی واضح مثال عبدالصمد بن علی کی گفتگو ہے۔وہ منصور سے کہتا ہے "آپ نے سزائیں دینے کی سخت پالیسی اختیار کر رکھی ہے آپ معافی کا لفظ سننا گوارہ نہیں کرتے منصور نے کہا وہ اسلئے کہ بنو مروان کے نیزے ابھی پرانے نہیں ہوئے اور ابو طالب کی اولاد نے اپنی تلواریں ابھی نیام میں نہیں ڈالیں ہم ایسے لوگ ہیں جن کو عوام نے کل بازاری انسانوں میں دیکھا ہے اور آج ہم کو خلفاء کی شکل میں دیکھ رہے ہیں جب تک ہم معافی اور عفو در گزر بھول نہ جائیں اس وقت تک ان کے دلوں میں ہماری ہیبت نہ بیٹھے گی۔[37]

۲۔ سلطنت کی اس شان و شوکت کی خاطر خلفاء بن عباس نے ریاست کو ایک خاص طرح کے دینی رنگ میں رنگ دیا۔ خلیفہ دین کا حامی و ناصر قرار پایا اسے اللہ کا سایہ قرار دیا گیا اور ہر قسم کے اقتدار و اختیار کا سرچشمہ بنایا گیا۔ بے شمار قضاۃ کو خلفاء نے بڑے بڑے عہدے دیئے اور تمام سلطنت میں سرکاری فقہاء کا جال بچھا دیا گیا۔ خلفاء کے گرد روحانی تقدس کا حالہ بنا دیا گیا اسکی بیعت کو ایک مقدس فریضہ قرار دیا گیا اور بیعت توڑنے والے شخص کو دین میں فتنہ و انتشار پیدا کرنے والا گردانا گیا بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت کے بغیر ایک رات بھی گزارے گا وہ جہنمی قرار پائے گا جب خلفاء بنی عباس بے دست و پا ہو گئے اور ان کے اختیارات سلب ہو گئے تو بھی یہ روحانی پردہ آخر دم تک قائم رہا۔ یہ دینی حرمت لوگوں کے دلوں میں اس قدر جڑ پکڑ چکی تھی کہ بلاد اسلامیہ کے مختلف خود مختار شہنشاہ خلیفہ بغداد سے توثیقی سرٹیفکیٹ حاصل کرتے تھے ہندوستان کے بادشاہ بلبن نے بغداد سے حکومت کرنے کی سند حاصل کی تھی۔[38]

یہی وجہ ہے کہ خلفاء کوئی ایسا سبب یا واقعہ پیدا انہیں ہوتے دیتے تھے جس سے بادشاہت کی شان و شوکت میں معمولی سی بھی کمزوری پیدا ہوتی ہو۔ منصور کہا کرتا تھا بادشاہ سوائے تین باتوں کے ہر بات برداشت کر سکتا ہے۔(۱) راز کا افشاء (۲) بادشاہ کے حرم پر نظر ڈالنا (۳) حکومت میں مین میخ نکالنا مندرجہ بالا امور سے یہ نتائج مترشح ہوتے ہیں:

1) بنو عباس نے جرأت اظہار رائے کو تو عام کیا مگر سلطنت پر تنقید برداشت نہیں کر سکتے تھے جب کبھی کوئی اس پہلو پر تنقید کرتا تو عقوبت کے کوڑے اس پر برسنا شروع ہو جائے تھے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ کو اس وجہ سے سزائیں ملیں کہ وہ بر سرِ اقتدار سلطنت سے عدم تعاون کا مظاہرہ کر رہے ہیں (آلِ علی ابن ابی طالب کی حمایت کی وجہ سے)۔ جمہور سمجھتے تھے کہ جب یہ بزرگ ہستیاں حکومت سے تعاون نہیں کر رہی ہیں تو ہم کیوں کریں؟ یہ حکومت ظالم اور غاصب اور عدل و انصاف سے کام نہیں لے رہی۔ اگر یہ حکومت نیکو کاروں کی ہوتی تو یہ بزرگ لازماً ان کا ساتھ دیتے پر ان بزرگوں کا انکار اس بات کا غماز تھا کہ یہ حضرات خفیہ طور پر عباسیوں کے مخالف دھڑے آل علی ابن ابی طالب کا ساتھ دے رہے ہیں لہٰذا ان پر ظلم و تشدد کیا گیا۔ مصر کے مشہور امام اور فقیہہ لیث بن سعدؒ نے بھی عباسیوں کا عہدہ قضاء قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا مگر انہیں کوئی سزا نہ دی گئی کیونکہ عباسیوں کو پتا تھا کہ وہ

بے ضرر فقیہ ہیں ان کے مذہب کے پیروکار بھی نہ ہونے کے برابر ہیں، نیز مصر میں حکومت مخالف عناصر بھی نہ ہونے کے برابر ہیں لہٰذا اگر کسی شخص کی تنقید یا عدم تعاون سے حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا تو اسے سب کچھ کہنے کی آزادی تھی وہ جو جی میں آئے کہہ سکتا تھا حتیٰ کہ خلفاء کو گالیاں بھی دے سکتا تھا۔

2) حریت اظہار رائے اور اسکی قدر و منزلت خلیفہ کے مزاج کے مطابق ہوتی تھی۔ مثلاً منصور سیاسی لحاظ سے نہایت تنگ نظر اور علمی لحاظ سے وسیع القلب ثابت ہوا وہ معمولی سے شبہ پر بھی قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیتا تھا چاہے اس کا محسن ہی کیوں نہ ہو۔ جب ابو مسلم خراسانی کو اس نے قتل کرایا تو عیسیٰ بن موسیٰ نے پوچھا ''اس کا کارناموں کے بعد اس سے یہ سلوک''؟ تو منصور نے کہا ''خدا کی قسم روئے زمین پر اس سے بڑا تمہارا کوئی دشمن نہ تھا اس کی زندگی میں تم لوگوں کے لیے حکومت کرنا سخت دشوار تھا اس سے نجات حاصل کرنے کی یہی ایک صورت تھی مگر جہاں تک علوم و فنون کا تعلق ہے اس نے اپنا دل کشادہ رکھا کیونکہ ان سے سلطنت تباہ ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا، بلکہ سلطنت مستحکم ہوتی ہے۔

3) معتزلہ کو اپنا مقرب بنایا خاص کر عمرو بن عبید کو منصور نے علم ہیئت طب اور فلسفہ کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ مہدی کو جس شخص کے بارے میں پتا چلتا کہ وہ زندیق ہے تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اسے زندہ رہنے کی مہلت نہ دیتا تھا۔ کیونکہ اس دور میں ''مزدک کی اشتراکیت'' اور مانی کا فلسفہ ثنویت بڑی تیزی سے ایک سیاسی خطرہ بن رہے تھے۔ ہارون الرشید علمی و ادبی تحریکات کی حوصلہ افزائی کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ مگر جب اسے محسوس ہوا کہ برامکہ سلطنت پر حاوی ہو رہے ہیں۔ اور ان کی ہمدردیاں شیعہ کے ساتھ ہیں تو اس نے اس عظیم المرتبت خاندان کا نام و نشان تک مٹا ڈالا یحییٰ بن خالد برمکی جس نے ہارون کو سلطنت دلوانے میں قید و بند کی صورتیں برداشت کی تھیں اور جسے وہ ابا جان کہا کرتا تھا، اسے پابند سلاسل کر دیا۔ اس کی تمام جائیداد چھین لی اسکی بیوی عبادہ جس کا ہارون نے دودھ پیا اور جس کی خدمت میں چار چار سو کنیزیں رہتی تھیں عین عید کے دن پھٹے پرانے کپڑوں میں کوفہ کے امام مسجد کے گھر بھیگ مانگتی نظر آئی۔ اس کے پاس بکری کی دو کھالیں تھیں جس میں ایک کو اوڑھتی اور دوسری کو بچھا کر سوتی تھی۔[39]

4) مامون نے علمی ذوق، فلسفہ اور بے شمار علمی تحریکات کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا مگر اس کو جب معلوم ہوا کہ اس کا محسن فضل بن سہل سلطنت پر حاوی ہو رہا ہے اور سلطنت پر مکمل طور پر چھا گیا ہے تو اسے قتل کر دیا گیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جن حضرت نے فضل کو قتل کیا مامون نے ان کے بھی سر قلم کرا دیئے کیونکہ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ فضل کے قتل کا حکم خود مامون نے دیا تھا۔ فضل کا بھائی حسن اپنے بھائی کے غم میں گھل گھل کر مر گیا اگرچہ مامون نے اسکی اشک شوئی کیلئے اسے وزیر بنا دیا تھا اور اسکی لڑکی بودان سے شادی بھی کر لی تھی (جو شہزادی ڈیانا کی شادی سے کسی طرح کم نہ تھی) مگر وہ بھائی کی موت کبھی نہ بھول سکا۔[40]

5) معتصم نے اپنی ترکی سپہ سالار اور مشہور جان باز افشین حیدر کو ختم کر دیا الزام اس پر بھی زندقہ کا لگایا گیا پہلے اس کا کھانا پینا بند کر دیا گی اور پھر اذیتیں دینا شروع کیں اور آخر میں سولی پر لٹکا دیا اس کا اصل قصور یہ تھا کہ وہ سلطنت میں ترکی اثر ورسوخ کو ترقی دے رہا تھا اسی طرح متوکل نے ایک اور سپہ سالار ایتاخ کو قتل کرا دیا۔[41]

6) بہر حال سلطنت عباسیہ جب کسی عمل یا قول کو سلطنت کے لئے خطرہ سمجھتی تھی اس کا فوری طور پر قلع قمع کر دیتی تھی اور جب کسی شخص سے سلطنت کو کوئی خطرہ نہ ہوتا تھا اس کی ہر بات برداشت کرتی تھی ابن مقفع کے ساتھ بھی بھی کچھ پیش آیا اس نے مروجہ نظام سلطنت پر تنقید کی تحریر خوبصورت تھی عوام ذوق وشوق سے پڑھتے تھے اور وہ بہت اثر ورسوخ کا مالک بھی تھا۔ اس کی آواز تمام ادیبوں سے زیادہ اشاعت پذیر تھی۔ لہٰذا سلطنت کے خلاف نفرت کے ابھرنے کا خطرہ تھا۔ اور ہو سکتا کوئی صدائے احتجاج بھی بلند ہوئی ہو کبھی اسے زندیق اور کبھی ملحد کہا گیا۔ کبھی غلط لعان نامہ کو اس کے قتل کا سبب قرار دیا گیا اور کبھی ایرانی ثقافت کی ترویج کو بہانہ بنایا گیا ان میں سے کوئی الزام بھی اس کی موت کا سبب نہیں بن سکتا تھا۔

7) بعد کے دور میں منصور حلاج (م ۳۰۹ھ) کو بھی اس بنیاد پر سولی پر لٹکا دیا گیا ابن خلکان کی روایت کے مطابق بادشاہ وقت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ منصور حلاج حکومت کا کہیں تختہ نہ الٹ دے۔ کیونکہ اس کے وعظ میں اس قدر تاثیر ہوتی تھی کہ بے شمار لوگ اس کے حامی بن گئے تھے۔[42]

8) حریت اظہار رائے کا مسئلہ ان ریاستوں میں پیدا ہوتا ہے جو علمی لحاظ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں معاشی لحاظ سے خوش الحال اور سیاسی لحاظ سے مستحکم ہوں۔ تاریخ اسلام میں عہد بنو عباس (۷۵۰ء تا ۱۲۵۸ء) ان تینوں پہلوؤں سے اپنے وقت کی تمام ریاستوں پر فوق تھا علمی لحاظ سے اپنی ہم عصر ریاستوں میں ممتاز مقام رکھتا تھا معاشی لحاظ سے فارغ البالی کا عہد تھا پھر سیاسی لحاظ سے بھی بحیثیت مجموعی اندرونی طور پر مستحکم عہد تھا۔

حوالہ جات

1۔ النساء4:148

2۔ البقرۃ2: 283

3۔ ھود11: 118

4۔ النساء4: 59

5۔ التوبۃ9: 71

6۔ البقرۃ2: 191

7۔ الأحزاب33: 36

8۔ امام نووی شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں، والامۃ في اجماعھا معصومۃ من الخطأ، کہ یہ امت اپنے اجماع میں خطا سے معصوم ہے۔ (النووي، أبو زکریا محیي الدین یحیی بن شرف (المتوفی: 676ھ)، المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، دار إحیاء التراث العربي – بیروت، الثانیۃ، 1392، ج1، ص19)

9۔ یونس:36

10۔ جامعۃ منیسوتا، إعلان القاھرۃ حول حقوق الإنسان في الإسلام، مجلس وزراء خارجیۃ منظمۃ مؤتمر العالم الإسلامي ،القاھرۃ، 5 أغسطس 1990، من موقع: http://hrlibrary.umn.edu/arab/a004.html

11۔ الزمخشري، جار اللہ توفي 583 ھ، ربیع الأبرار ونصوص الأخیار، مؤسسۃ الأعلمي، بیروت، الأولی، 1412ھ، ج3، ص392

12۔ الاصفہانی، ابو الفرج، الآغانی، ج ۱۸، ص ۹۰ تا ۹۳ منشورات دار مکتبہ الحیاۃ، دارالفکر بیروت ۱۹۵۵ء

13۔ ثابت بن یحیی بن اسار أبو عباد الرازی، یہ مامون کا کاتب تھا، سفر و حضر میں اس کا ساتھی تھا۔

14۔ ابن عساکر، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله (المتوفى: 571ھ)، تاريخ دمشق، ت: عمرو بن غرامة العمروي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، 1415 هـ - 1995 م، ج11، ص145، رقم الترجمہ 1034

15۔ المسعودی، ابو الحسن علی بن الحسین، مروج الذھب و معاون الجوھر، ج ۳، ص ۴۰۶،۳۰۵، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، الطبعۃ الثانیہ، مطبعہ السعادہ بجوالہ محافظ مصر، ۱۹۴۸ء

16۔ ضحی الاسلام، ج ۲، ص ۳۸

17۔ السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين (المتوفى: 911ھ)، تاريخ الخلفاء، مكتبة نزار مصطفى الباز، الطبعة الأولى: 1425ھ-2004م، ص219۔

18۔ سیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص ۲۶۸، کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی، تحقیق، محمد محیی الدین عبد الحمید

الخطيب البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي (المتوفى: 463ھ)، تاريخ بغداد، ت: الدكتور بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي - بيروت، الأولى، 1422ھ - 2002 م، ج16، ص 282، رقم الترجمة 7441

19۔ احمد امین، ضحی الاسلام، ج ۲، ص ۳۸، دارالکتب الغربی بیروت، الطبقہ العاشرۃ

20۔ ضحی الاسلام، ص ۳۳۲،۳۳۲۵

21۔ شبلی نے ''المامون'' میں مامون کی محفلوں کے بارے میں کچھ اشارے دیئے ہیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو: ''ہمارے ناظرین جنہوں نے مامون کو کبھی فقہ و حدیث کا تذکرہ کرتے دیکھا ہے کبھی اہل کمال کے ساتھ اس کے عالمانہ بحثیں سنی ہیں۔ نہایت تعجب سے دیکھیں گے کہ بزم عیش میں وہ رندانہ وضع

سے بھی ہے۔ بے تکلف اور رنگیں طبع احباب جمع ہیں پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہے دور شراب چل رہا ساز چھیڑا جا رہا ہے گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں یارانِ باصفا بدمست ہوئے جاتے ہیں۔ آغاز خلافت میں ہارون بیس ماہ تک نغمہ و سرود سے بالکل محترز رہا چند دنوں بعد شوق پیدا ہوا مگر اتنا ہی احتیاط کے ساتھ کبھی کبھی سن لیتا تھا یہ حالت بھی چار برس تک قائم رہی، پھر تو ایسی چاٹ پڑ گئی کہ ایک دن بھی ان صحبتوں کے بغیر نہیں گزر سکتا تھا۔ اگر انصاف سے دیکھیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ؟آزادی، حوصلہ مندی، لطافت طبع، جوش شباب ہمیشہ ترید کی حکومت سے باغی رہتے آئے ہیں۔ مامون کی تحقیق نہیں اس وقت اسلامی سوسائٹی عموماً اس رنگ میں ہوئی تھی مسلمانوں کو اس عہد میں امن، فراغ، اطمینان، زر و مال سب کچھ میسر تھا پھر کیا چیز تھی جوان کو پر خطر مقاصد سے روک سکتی؟ ایک مذہب البتہ درانداز ہو سکتا لیکن جدت پسند طبعتیں اسے بھی کھینچ تان کر ڈھب کا بنا لیتی تھیں شراب کی جگہ نبیذ (کھجور کی تاڑی) موجود تھی جس کو عموماً مذہبی پیشواؤں سے حلت کی سند مل چکی تھی لونڈیوں کی عام اجازت نے عیاشیوں کے سب حوصلے پورے کر دیئے تھے نغمہ و سرور تو قابلیت علمی کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے (ص ۲۰۵،۲۰۶ نیشنل بک فائونڈیشن، اسلام آباد)

22۔ الاستاد محمد علی، کردار الاسلام والحضارۃ العربیہ، دار الکتب قاہرہ (۱۳۹۰ھ ص ۱۳۵)

23۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، دار القلم بیروت ۱۳۹۸ھ ج ۳ ص ۱۰۵ اسے ۱۳۵ اء

24۔ عبدالقاہر البغدادی، الفرق، ص ۱۲ مکتبہ محمد علی صبیح و اولادہ عبدان الاذھر تحقیق محمد علی محی الدین عبدالحمید اس کے علاوہ ابن قتیبہ تاویل مختلف الحدیث، ص ۱۷ تا ۲۳ مکتبہ الکلیات الازھریہ ۱۹۶۶ء/ ۱۳۸۶ھ تحقیق محمد زھری النجار

25۔ المبرد، ابوالعباس، محمد بن یزید، الکاحل دار التراث العربی بیروت ۱۹۹۵ء

26۔ ابن الطقطقي، محمد بن علي بن طباطبا المعروف (المتوفى: 709ھ)، الفخري في الآداب السلطانية والدول الإسلامية، ت: عبد القادر محمد مايو، دار القلم العربي، بيروت، الأولى، 1418ھ - 1997 م، ص 174

27۔ بشار بن برد، کنیت أبو معاذ، مشہور شاعر تھا، فارسی الأصل تھا، اندھا تھا، غزل اور ہجو گوئی میں باکمال تھا، یعقوب بن داؤد نے اس کی شکایت مہدی کو لگائی جس کی بنا پر بعد ازاں اس کو زندقہ کی تہمت کی وجہ سے کوڑے مار کر 168ھ میں قتل کر دیا گیا۔

28۔ الفخري في الآداب السلطانية والدول الإسلامية، ص 183۔

29۔ ابن الطباطبائ محمد بن علی بن طباطباء، الفخری تاریخ الاول الاسلامیہ، ص۱۷٦، دار صادر بیروت

30۔ المحسن بن علي بن محمد بن أبي الفهم داود التنوخي البصري، 327 - 384ھ = 939 - 994م

31۔ ضحیٰ الاسلام، ج۲، ص۴۳

32۔ طبری، محمد بن جریر ابو جعفر، تاریخ الرسل والملوک، ج۹، ص۳۱۷، اطبعہ الاولی، المطبعہ الجنیہ المصریہ

33۔ ابن عساکر، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله (المتوفى: 571ھ)، تاریخ دمشق، ت: عمرو بن غرامة العمروي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، 1415ھ - 1995 م، ج23، ص346

34۔ تاریخ دمشق، ج23، ص348

35۔ خطیب، ابو بکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، ج۹، ص۳۰۳، دار لکتاب العربی بیروت

36۔ ابن المعتز، عبد الله بن محمد العباسي (المتوفى: 296ھ)، طبقات الشعراء، ت: عبد الستار أحمد فراج، دار المعارف القاهرة، الثالثة، ص91-92

37۔ تاریخ الخلفاء ص۲٦۷

38۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج۳، ص۳۔۱، اسلامی اکادمی، طبع اول ۱۹۹٦ء اردو بازار لاہور

39۔ تاریخ الخلفاء ص۲٦۷

40۔ اس شادی کی تفصیل طبری اور مسعودی میں موجود ہے مگر اس کا خلاصہ ملاحظہ کریں ابن خلدون مقدمہ ص۳۰۵۔۳۰٦ مکتبہ المدرسہ دار الکتاب اللبنانی الطبعہ الثانیہ ۱۹٦۱ء بیروت

41۔ ابن خلکان، وفیات الأعیان وأنباء أبناء الزمان، ج۴، ص۳۳۵، الطبعہ الاخیرۃ، عیسی البابی الحلبی تحقیق احمد فرید رفاعی لک

42۔ ایضاً